بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقش آغاز

برصغیر پاک و ہند کی ممتاز دینی اور روحانی شخصیت عارف باللہ جامع شریعت و طریقت حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ کے وصال کو نو دس سال گذر چکے ہیں مگر یہ بحث اب بھی زور شور سے از سر نو اٹھائی جا رہی ہے کہ حضرتؒ کی تدفین شریعتِ اسلامیہ کے مطابق ہوئی یا نہیں۔؟ فتووں کا بازار گرم ہے، طرفین داد تحقیق دے رہے ہیں، ضمیمے اور کتابچے نکل رہے ہیں ــــ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کسی قوم کی بدنصیبی اور انتہائی انحطاط کی دلیل اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ عین اسوقت جب کہ علمی اور عملی فتنے طوفان کی طرح چھا چکے ہوں، ضعف و ادبار پوری امت کو گھیرے ہوئے ہو، اس امت کے خواص داعیان اور اکابر علم و فکر پوری قوتوں کے ساتھ ایسے لایعنی مباحث اور دور از کار قیل و قال اور بحث و جدال میں مصروف ہو جائیں، جن پر نہ دین کا کوئی مدار ہو نہ کوئی دنیاوی نفع۔ کلیسا پر جب خدا کی تلوار پوری طرح مسلط ہو چکی تھی تو کلیسائیت کے علمبردار آپس میں اس مسئلہ پر برسرپیکار تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے (بزعم انکے) سولی پر چڑھنے سے پہلے کونسی غذا کھائی تھی ــــ ہزاروں افراد اس اختلاف میں تہ تیغ ہوئے ــــ یہی حالت مسلمانوں کی اسوقت تھی جب فتنۂ تاتار پورے عالم اسلام کو للکار رہا تھا۔ اور ہلاکو کی فوجیں دارالخلافت بغداد کے دروازوں پر دستک دے رہی تھیں۔ ادھر بغداد کے گلی کوچوں میں مناظروں کا بازار گرم تھا، غیر ضروری مسائل پر علم و فکر کی ساری توانائی صرف ہو رہی تھی۔ دشمن کی بجائے فروعی مسائل نشانۂ تحقیق بنے ہوئے تھے۔

موجودہ پرآشوب دور نگاہوں میں رکھئے پھر اس میں دین اور اہل دین کے خلاف اہل فتن والحاد کی متحدہ فتنہ سامانیاں دیکھئے، فکر آخرت سے آزادی مغربیت اور اباحیت میں انہماک علمی اور دینی فتنوں کی یلغار، مادہ پرستی کا ہنگامہ نئے نئے علمی اور فکری مسائل کا چیلنج اور اس کے مقابلہ میں دین اور اہل دین کی غربت اور تشتت و انتشار کا سوچئے۔ پھر عصر حاضر کے تقاضوں کے سامنے اہل دین کی مسئولیت اور ذمہ داریوں کی نزاکت پر بھی ایک نگاہ ڈالئے اور مذکورۃ الصدر لاطائل مسئلہ پر اتنا

شور و ہنگامہ ــــ؟ بجا طور پر حیرت، تعجب اور افسوس و حسرت کی ملی جلی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ زمانہ قیامت کی چال چل رہا ہے، حالات ہمیں جھنجھوڑ رہے ہیں۔ دین اور اصولِ دین کے خلاف خفیہ کمین گاہوں میں کونسا اسلحہ ہے جو جمع نہیں کیا جا رہا ــــ؟ ملک کے دینی اور سیاسی مستقبل کے فیصلے ہو رہے ہیں، ایسے حالات میں ہماری توجہ اور اہتمام کا مستحق الاھم فالاھم کی بنا پر کون سے مسائل ہونے چاہیئے تھے۔؟ اور ہماری مصروفیات کا محور کیا ہونا چاہئے تھا۔؟ ہمیں اپنی انفرادی اور اجتماعی قوت فکری صلاحیت اور علمی استعداد کن امور میں لگانی ہے ــــ؟ یہ باتیں تمام علماء امت اعیان ملت اور اصحاب دعوت و عزیمت کیلئے دعوتِ فکر دے رہی ہیں ــــ۔

★

فطری طور پر یہ ناخوشگوار تاثر اور تلخ احساس ہر درد مند مسلمان کا ہو سکتا ہے جو ایک ایسے مسئلہ پر علماء و مشاہیر ملت کو باہمی بحث و جدال میں مصروف دیکھتے ہیں جس پر نہ تو دین کے کسی بنیادی مسئلہ کا مدار ہے نہ اس سے مسلمانوں کا کوئی اجتماعی مفاد وابستہ ہے۔ اور نہ وہ ہماری کسی ترقی و خوشحالی کا ذریعہ بن سکتا ہے، اور نہ اسے موجودہ حالات اور زمانہ سے کوئی مناسبت یا مطابقت ہے بلکہ الٹا ہماری علمی کم نگاہی، دینی بے بصیرتی اور اجتماعی بدقسمتی کی دلیل بنائی جا سکتی ہے۔ یہ بدنصیبی نہیں تو کیا ہے کہ اس نے پورے برصغیر کے ایک برگزیدہ فعال علمی و دینی طبقہ اور اکابر علماء کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ پھر دونوں فریق میں اصولی طور سے وجہ نزاع بھی کوئی بات نہیں جو لوگ حضرتؒ کے مزار کو موجودہ شکل میں قائم رکھنا چاہتے ہیں، انہیں بھی اعتراف ہے کہ تدفین مسنون اور متوارث صورت میں نہیں ہوئی مگر بوجوہ و اعذار ہوئی اس لئے متحقق ہو چکی ہے۔ جن حضرات کو قبر پر اعتراض ہے وہ بھی نبش (قبر کھولنے) اور اُسے دوسری جگہ منتقل کرنے کو جائز نہیں کہہ سکتے۔ پھر اس مسئلہ کو ایک دوسرے کی نیّات اور عزائم پر بدگمانی اور باہمی اختلاف و افتراق کا ذریعہ بنانا، سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے۔

★

الحقؔ ایسے مباحث اور نازک موضوع پر بحث کا نہ تو روادار ہے نہ راقم الحروف کی علمی بساط اور بے بضاعتی اسکی اجازت دیتی ہے، مگر طرفین کے اکابر اور ایک بہت بڑی تعداد کے اصرار پر بادلِ ناخواستہ اس موضوع پر قلم اٹھایا گیا ہے۔ ورنہ صحیح بات یہ ہے کہ ایسے نادرۂ روزگار

اور سرمایۂ افتخار بزرگؒ کی مرقد مبارک کو اتنے عرصہ بعد زیر بحث بنا رکھنے پر بھی جبینِ غیرت پسینہ پسینہ ہو رہی ہے۔ مجھے حضرتؒ کے اجلّہ خلفاء اور متوسلین کی اس جرأت پر حیرت ہے کہ وہ ایک ایسے بزرگ کی قبر اور برزخی زندگی کو اس حد تک بحث و جدال کا ذریعہ بنا رہے ہیں جنکی مجموعی زندگی پر حیاء اور انکسار کی شان غالب تھی۔ کیا ہم اپنے خاندان کے کسی بزرگ کی قبر کھودنے اور دوبارہ نکالنے نہ نکالنے کے موضوع کو بے حرمتی اور احساس عظمت سے عاری ہونے کا سبب سمجھ کر اس پر ناگواری ظاہر کریں گے یا نہیں۔؟

حضرتؒ جن کی زندگی کا ہر لمحہ اللہ اور ہر لحظہ خلقِ خدا کی ہدایت میں صرف ہوا۔ ۱۶ر اگست ۱۹۶۲ء کو لاہور میں واصل بحق ہوئے جب کہ آپ اپنے وطن اقامت رائے پور (بھارت) اور وطنِ اصلی (ڈھڈیاں ضلع سرگودھا) سے دور تھے، تدفین کے بارہ میں تین تجاویز تھیں۔ ۱۔ یا تو شریعت کی روح اور مزاج کے مطابق وہیں لاہور ہی میں دفن ہوں۔ ۲۔ دوسری رائے حضرتؒ کی خواہش (مگر اس کے ساتھ بارہا یہ وصیّت بھی تھی کہ جہاں وصال ہو وہاں دفن کیا جائے) کے مطابق رائے پور لے جاکر اپنے شیخ کے قدموں میں دفنانے کی تھی۔ ۳۔ تیسری رائے حضرتؒ کے شرعی وارثان و اولیاء کی تھی کہ آبائی گاؤں ڈھڈیاں میں تدفین عمل میں آئے ـــــ پہلی رائے پر عمل نہ ہو سکنے کا وبال بعد میں پوری جماعت کی فکری پریشانی اور انتشار کی شکل میں ظاہر ہوا اور فیصلہ تیسری رائے پر ہو گیا۔ ڈھڈیاں کی زمین نمناک تھی، مسجد کے قریب خطّہ جسے مٹی سے پاٹ کر سطح مسجد کے برابر کرانا طے ہو چکا تھا اس میں بجائے زمین کھودنے کے شق کی شکل میں دیواریں چن لی گئیں اور تابوت مبارک رکھ کر چاروں طرف سے زمین کو مٹی سے سطح مسجد کے برابر پاٹ دیا گیا اور تابوت معہ شق بالائی سطح سے دو تین فٹ نیچے ہو گیا، اور اوپر قبر کا کوہان نما نشان بنایا گیا۔ اس طرح قبر جو وجہ الارض پر تھی بناء سمیت بطن الارض ہو گئی۔

اس کے بعد پریس اور علمی و دینی حلقوں میں یہ بحث چھڑ گئی کہ تدفین مسنون طریقہ (قبر کھود کر دفن کرنے) سے نہیں ہوئی اس لئے دوبارہ نبش (قبر کھولنا) اور دفن ہونا چاہیئے۔ مسئلہ نے شدّت اختیار کی تو بعض حضرات کے استفسار پر برّصغیر کے ان تمام اجلّہ علم اور اصحاب تحقیق و تقویٰ حضرات نے متفقہ فتویٰ دیا کہ موجودہ شکل گو متوارث اور مسنون طریقۂ دفن کے خلاف ہوا مگر اب تدفین متحقق ہو چکی ہے۔ اس لئے قبر کھول کر میّت کی دوبارہ تدفین یا کسی دوسری جگہ (دوسرا فریق اب بھی چاہتا ہے کہ ایک دفعہ کھول کر اسے رائے پور ہی لے جایا جائے ورنہ اسی جگہ

دوسرے مقام پر تدفین کی کوئی تجویز بھی ان کی طرف سے سامنے آئی ہوتی) منتقل کرنا حرام ہے۔ اس فتویٰ پر برصغیر کے ان اکثر مشاہیر محدثین، فقہا اور علماء کے دستخط ہیں جن کا علمی تبحر اور للہیت ضرب المثل ہے۔ اور انہیں دیکھ کر یوں لگتا تھا کہ گویا وقت کا یہ متنازعہ مسئلہ اجماع کے طور پر طے کر لیا گیا ہے اور اب اس اجماع کا "خرق" بلاوجہ ایک جرأت ہے۔ یہ فتویٰ فقہا کی ان واضح تصریحات پر مبنی تھا کہ تدفین میں بڑی سے بڑی مخالف سنت چیز بھی آجائے مثلاً میت قبلہ رخ نہ رکھی گئی ہو یا بائیں کروٹ پر ہو یا اس کا سر پاؤں کی جگہ ہو یا غسل اور نماز جنازہ جو میت کا ایک حق واجب اور امت پر فرض کفایہ ہے اگر کسی وجہ سے غسل یا نماز جنازہ بھی رہ جائے تب بھی نبش یعنی کھولنا جائز نہیں۔ اندر کی حالت عالم الغیب والسرائر کے سامنے ہے۔ بلا کسی شدید مجبوری کے اسے کھولنا اور ٹٹولنا شرف انسانیت کی رعایت کے خلاف ہے۔

الغرض یہ مسئلہ ایسا نظری اور پیچیدہ نہ تھا جو جادۂ حق و اعتدال پر ہر حالت میں قائم رہنے والی ایک جماعت "علماء دیوبند" کیلئے اس حد تک وجہ نزاع بن جاتا۔ ایک ایسی جماعت جس کے سامنے اپنے مسلک حق کا عمومی مزاج اور برزخ و عالم برزخ کے بارہ میں سلف کا محتاط رویہ اور تعلیمات ہوں، جس کے ہاں اصل زور رسوم و آثار پر نہیں معنوی کمالات اور روحانی مقامات پر دیا جاتا ہو۔ قبر پرستی اور مظاہر پرستی سے نفور میں ضرب المثل ہو، پھر جانے والے مرحوم اکابر کی عظمت و حرمت اور آداب کی رعایت میں بھی اس جماعت کا رویہ مثالی رہا ہو، ایک ایسی جماعت کے ہاں ایسے دور از کار موضوع پر شور و ہنگامہ فتویٰ اور جواب فتویٰ۔ رسائل اور ضمیموں کی بھرمار اس طبقہ کے عمومی مزاج اور پوری تاریخ سے بے جوڑ سی بات ہے۔ جبکہ اس مسئلہ کو بار بار اٹھانے سے فکری و علمی مفاسد کے علاوہ مقامی طور پر کسی بڑے فتنہ و فساد کا بھی اندیشہ ہے۔ والفتنۃ اشد من القتل۔ اس لئے اپنی کم مائگی اور تہی دامنی کے پورے احساس اور دونوں طرف کے اکابر کی عظمت و ادب کا پورا استحضار رکھتے ہوئے ان اکابر کے مجموعی اصابت فکر، سلامت روی، طلب حق اور خشیۃ و اخلاص اور طریق حکمت و موعظت جیسی اعلیٰ صفات کی امید پر اتنا عرض کرنے کی جسارت کی جا رہی ہے۔ کہ للہ اس مسئلہ کو تقدیر الٰہی سمجھ کر یہیں ختم کر دیا جائے۔ حضرتؒ کی تدفین جہاں مقدر تھی ہو چکی، اب وہ ملأ اعلیٰ اور اعلیٰ علیین میں آسودۂ استراحت ہیں (انشاء اللہ) اب اصلاح ذات البین اور رفع نزاع کی نیت سے اپنے جذبات عقیدت کو قابو میں رکھ کر حضرتؒ کے مزار کو موجودہ حالت میں رہنے دیا جائے۔ اور اس موضوع کو مزید علمی جولانیٔ

طبع کا میدان نہ بنایا جائے، ورنہ احتمال ہے کہ آگے چل کر یہ چیز دین سے بیزار طبیعتوں کے لئے استخفاف اور استہزاء کا ذریعہ بن جائے ولاجعلها اللّٰہ۔ دینی حمیت اور حضورِ اقدسؐ کے متوارث اور مسنون طریقوں کی حفاظت وتحفظ کے لئے اس سے بہتر اور ہزار ہا ہزار اہم تقاضے اور مصارف موجود ہیں۔ ہمیں اپنی پوری طاقت وقوت امّت کے ان مسائل پر لگانی چاہیئے جن پر نہ صرف پوری امّت بلکہ دین کی بقاء اور ترقی کا انحصار ہے۔ اسطرح خدا کی رحمت اور تائید ہمارے ساتھ ہوگی۔ ولاتنازعوا فتفشلوا وتذهب ریحکم۔ ان گذارشات سے ہرگز بھی کسی گروہ کی طرفداری یا کسی کی دلآزاری مقصود نہیں ایک نیازمندانہ گذارش ہے اور اکابر کی توجہ کی مستحق۔

واللّٰہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق
۱۰ رجمادی الثانی ۱۳۹۱ھ

بقیہ: محمود غزنویؒ کے دیس میں | حالاتِ عالیہ کے ذکر سے لبریز ہیں۔ کرامت اور علوِ مرتبت کا یہ عالم کہ لبسا اوقات جہاں قدم پڑتا وہاں سبزہ اگادیتی مگر یہ کونسی بڑی بات ہے۔ یہ لوگ تو مردہ دلوں کو حیاتِ جاودانی بخشتے تھے۔ خاک ان کی نظر سے کیمیا ہوجاتی تھی۔ ذرا دائیں جانب ہٹ کر ان کی پاکباز رفیقِ حیات خاتون کا مزار ہے۔ چاروں طرف دیواروں اور گنبد سے ڈھکا ہوا، اندر جانے کا راستہ نہیں، اس لئے کہ یہ اس زمانہ کی خاتون تھیں جو عفت حیا، خوفِ خدا اور ایمان ویقین کا پیکر ہوا کرتی تھیں۔ جاتے جاتے وصیّت کر بیٹھیں کہ میری قبر کو چاروں طرف سے عمارت میں ڈھانک دیا جائے کہ بعد از مرگ کسی غیر محرم کو قبر پر بھی نگاہیں ڈالنے کا موقعہ نہ ملے۔ بیشک یہ ان مومنات قانتات میں سے ہوں گی، جن کی پاکیزگیوں کو اللہ نے قرآن میں سراہا ہے۔ وہ رونقِ محفل بننے والوں میں سے نہ تھیں۔ بلاشبہ اس زمانہ کی خواتین مرد سے مساوات کی قائل نہ تھیں، مگر ایسی صفات کی بدولت اللہ انہیں نہ صرف مساوی بلکہ مردوں سے بڑھا بھی دیتا تھا۔ ولیس الذکر کالانثی۔

شیخ الاسلام خضرویہ کے مزار سے ذرا جانبِ مشرق چلے جائیے، یہاں صالحین کے ایک جھرمٹ میں خواجہ ایوب انصار آسودۂ استراحت ہیں۔ یہ اپنے وقت کے ممتاز ومعروف عالم وعارف خواجہ عبید اللہ انصار کے والد ماجد ہیں۔ خود بھی بڑے ولی اور عارف کامل خواجہ عبید اللہ کا مزار ہرات میں ہے ۔ ع این خانہ ہمہ آفتاب ہیں ۔ اردگرد قبور کے نشانات ہیں۔ کچھ بوسیدہ کتبے جو پڑھے نہیں جاسکے مگر ہماری مجد وشرف کی کیا کیا نشانیاں خاک کے ان ڈھیروں میں پنہاں ہونگی۔ وہاں سے آگے جائیں تو ـــــــ (باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)